تقریر

تقریر بابت اللہ تعالیٰ
وقت 5-7منٹ

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا

(اَلرَّحْمٰنُ وہ جس کا رحم بہت وسیع جو ہر ایک پر حاوی ہے)

(تقریر نمبر3)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ۔عَلَّمَ الْقُرْآنَ۔خَلَقَ الْإِنْسَانَ۔عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (الرحمٰن: آیات 2۔5)

یعنی اللہ بے انتہا رحم کرنے والا اور بن مانگے دینے والا۔اُس نے قرآن کی تعلیم دی۔انسان کو پیدا کیا۔اُسے بیان سکھایا۔

کوئی اس پاک سے جو دل لگاوے
کرے پاک آپ کو تب اس کو پاوے

(درثمین)

معزّز سامعین! مجھے آج صفاتِ ربانیّہ میں سے دوسری صفت **اَلرَّحْمٰن** پر کچھ عرض کرنا ہے۔انسان جب پہلی مرتبہ اپنے وجود پر غور کرتا ہے تو سب سے پہلے اسے اپنی ذات دکھائی دیتی ہے، مگر جب یہی غور اپنی ذات سے اتر کر حقیقتِ وجود تک پہنچتا ہے تو اسے اپنی ذات کے پسِ پشت ایک ایسی حقیقت کا احساس ہونے لگتا ہے جس کے بغیر اس کا اپنا وجود بھی قابلِ فہم نہیں رہتا۔وہ دیکھتا ہے کہ وہ دنیا میں آیا تو اس نے اپنے آنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا، اس نے اپنی پیدائش کی جگہ منتخب نہیں کی تھی، اپنے جسم کی ساخت طے نہیں کی تھی، اپنی آنکھوں میں دیکھنے کی صلاحیت خود نہیں رکھی تھی، اپنے دل میں دھڑکن خود پیدا نہیں کی تھی اور نہ ہی اس نے اس وسیع کائنات سے کوئی ایسا معاہدہ کیا تھا کہ جب وہ اس دنیا میں قدم رکھے گا تو زندگی کے تمام اسباب اُس کے لیے پہلے سے مہیا ہوں گے، مگر وہ آیا تو ہوا پہلے سے موجود تھی، پانی پہلے سے موجود تھا، روشنی پہلے سے موجود تھی، زمین اس کے قدم رکھنے سے پہلے ہی بچھائی جا چکی تھی، آسمان اس کے شعور میں آنے سے پہلے ہی اپنی وسعتوں کے ساتھ قائم تھا، خوراک کے وسائل اس کی طلب سے پہلے پیدا کیے جا چکے تھے اور خود اس کے جسم کے اندر ایسی بے شمار صلاحیتیں ودیعت تھیں جن کے بارے میں وہ پیدائش کے وقت کچھ جانتا تک نہ تھا۔یہاں انسان کے سامنے ایک ایسا سوال پیدا ہوتا ہے جو محض مذہب کا سوال نہیں بلکہ خود وجود کا سوال ہے: وہ کون سی حقیقت ہے جو انسان کے مانگنے سے پہلے ہی اس کے لیے عطا کا انتظام کر دیتی ہے؟

یہی سوال ہمیں صفتِ رحمانیت کے دروازے تک لے جاتا ہے۔

ہم روز مرّہ زندگی میں رحمت کو عموماً کسی تکلیف کے بعد ظاہر ہونے والی شفقت کے طور پر دیکھتے ہیں؛ کوئی بیمار ہو تو اُس پر رحم کیا جائے، کوئی محتاج ہو تو اُس کی مدد کی جائے، کوئی خطا کرے تو اُسے معاف کر دیا جائے اور کوئی مصیبت میں مبتلا ہو تو اُس کے ساتھ ہمدردی کی جائے۔یہ سب رحمت کے انسانی مظاہر ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمانیت کو صرف اسی محدود مفہوم میں سمجھ لینا اس صفت کے ایک نہایت وسیع، بنیادی اور کائناتی پہلو کو نظروں سے اوجھل کر دیتا ہے۔رحمانیّت کا اصل سوال یہ نہیں کہ انسان نے کیا مانگا اور اُسے کیا دیا گیا، بلکہ اُس سے کہیں پہلے کا سوال یہ ہے کہ انسان کے مانگنے کے قابل ہونے سے پہلے ہی اس کے لیے کیا کچھ عطا کیا جا چکا تھا۔یہی وہ مقام ہے جہاں رحمانیّت انسانی تصوّرِ رحمت سے کہیں بلند ہو جاتی ہے۔انسان اکثر ضرورت دیکھ کر دیتا ہے، جبکہ رحمانیت ضرورت پیدا ہونے سے پہلے اُس کے اسباب پیدا کر دیتی ہے؛ انسان کسی کی آواز سن کر متوجہ ہوتا ہے، جبکہ رحمانیّت اس وقت بھی فیض پہنچا رہی ہوتی ہے جب مخلوق ابھی اپنی ضرورت کو زبان دینے کے قابل بھی نہیں ہوئی۔

سامعین! حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے نیچے حل لغات میں الرَّحۡمٰنِ اور الرَّحِیۡم کے تحت تحریر فرمایا ہے۔

"الرَّحۡمٰن رحم سے ہے اور فَعۡلَان کے وزن پر ہے۔ اس وزن کے الفاظ امتلاء اور غلبہ پر دلالت کرتے ہیں۔(تفسیر البحر المحیط تفسیر سورۃ الفاتحۃ) پس رحمٰن کے معنی یہ ہوئے کہ وسیع رحم کا مالک جو ہر اک پر حاوی ہے اور یہ رحم وہی ہو سکتا ہے جو بلا مبادلہ اور بغیر کسی استحقاق کے ہو کیونکہ ہر شخص حق کے طور پر رحم کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

الرَّحِیۡم بھی رحم سے نکلا ہے اور فَعِیۡلٌ کے وزن پر ہے جس کے معنوں میں تکرار اور استحقاق کے مطابق سلوک کا مفہوم پایا جاتا ہے۔(تفسیر البحر المحیط تفسیر سورۃ الفاتحۃ) پس اس کے معنی ہوئے جو رحم کے حق دار کو اس کے کام کی اچھی جزا دیتا ہے اور بار بار اس پر رحم نازل کرتا جاتا ہے۔

علمِ صَرف کے زبردست امام ابو علی فارسی کہتے ہیں اَلرَّحۡمٰنُ اِسۡمٌ عَامٌّ فِیۡ جَمِیۡعِ أَنۡوَاعِ الرَّحۡمَةِ یُخۡتَصُّ بِهِ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ الرَّحِیۡمُ اِنَّمَا هُوَ فِیۡ جِهَةِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ قَالَ تَعَالٰی کَانَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَحِیۡمًا (تفسیر فتح البیان زیر تفسیر سورۃ الفاتحۃ) یعنی اَلرَّحۡمٰن اسم عام ہے اور ہر قسم کی رحمتوں پر مشتمل ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے مخصوص ہے اور اَلرَّحِیۡم مومنوں کی ذات سے تعلق رکھتا ہے یعنی اَلرَّحِیۡم کی رحمت نیکوکاروں سے مخصوص ہے۔ چنانچہ اس کا ثبوت قرآن کریم کی آیت وَ کَانَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَحِیۡمًا ہے۔(الاحزاب:44)

ابن مسعودؓ اور ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ الرَّحۡمٰنُ رَحۡمَنُ الدُّنۡیَا۔ وَالرَّحِیۡمُ۔ رَحِیۡمُ الۡآخِرَةِ (تفسیر البحر المحیط زیر تفسیر سورۃ الفاتحۃ) رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ رحمٰن دنیا کی رحمتوں پر نظر رکھتے ہوئے ہے اور اَلرَّحِیۡمُ کا نام آخرت کی رحمتوں پر نظر کرتے ہوئے ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ رحمٰن کے معنے بلا مبادلہ اور بغیر استحقاق رحم کے ہیں کیونکہ اس قسم کا رحم زیادہ تر اس دنیا میں جاری ہے اور رحیم کے معنی نیک کاموں کے اعلیٰ بدلہ کے ہیں کیونکہ آخرت مقامِ جزا ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ 17-18، جدید ایڈیشن)

سامعین! اس میں الرَّحۡمٰنِ اور الرَّحِیۡم کا ایک ہی مادہ یعنی رحم کے ہوتے ہوئے نہایت خوبصورتی اور بلاغت سے دونوں کے الگ الگ معانی بیان ہوئے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے 15 / دسمبر 2006ء کے خطبۂ جمعہ میں لغت کے حوالہ سے بیان فرمایا کہ رحمان مبالغہ کا صیغہ ہے، یعنی اس میں رحمت کی کثرت پائی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز پر حاوی اور اُسے گھیرے ہوئے ہے۔ اسی خطبہ میں واضح فرمایا کہ رحمان کی صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے رحمت کے معنی اس کی مہربانی، احسان اور رِفق کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ **الرَّحۡمٰن** ہمارے لیے محض ایک مانوس مذہبی لفظ نہیں بلکہ کائنات کے ساتھ خدا تعالیٰ کے تعلق کا ایک عظیم فلسفہ ہے۔ اس میں ایسی رحمت کا تصوّر سامنے آتا ہے جس کا فیض کسی محدود جماعت، قوم، زمانے یا صرف نیک لوگوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ مخلوق کے وجود کے ساتھ ایک وسیع عام فیض کی صورت میں جاری ہے۔ سورج اس لیے نہیں چمکتا کہ کسی شخص نے اس کی روشنی کا استحقاق پہلے ثابت کر دیا ہے، زمین اس لیے نہیں فصل یا پھل اُگاتی کہ ہر بیج نے کوئی عبادت انجام دی ہے اور زندگی کے بنیادی وسائل اس لیے مہیا نہیں ہوتے کہ انسان پہلے ان کے عوض کوئی عمل پیش کر چکا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو دنیا کا ہر سانس ایک اجرت ہوتا اور ہر نعمت کسی سابقہ عمل کا معاوضہ؛ مگر زندگی کا آغاز ہی اس تصوّر کی نفی کرتا ہے۔ انسان کو بہت کچھ اُس وقت ملتا ہے جب وہ کچھ دینے کے قابل نہیں ہوتا اور بہت کچھ اُس وقت ملتا ہے جب وہ مانگنے کا شعور بھی نہیں رکھتا۔

یہاں نعمت اور استحقاق کے درمیان ایک بنیادی فرق پیدا ہوتا ہے۔ انسان کی ایک عجیب عادت ہے کہ جو چیز اسے مسلسل ملتی رہے، وہ رفتہ رفتہ اسے نعمت نہیں بلکہ اپنا حق سمجھنے لگتا ہے۔ بچہ ماں کی آغوش کو اپنا حق سمجھتا ہے، صحت مند شخص صحت کو معمول کا ایک غیر محسوس واقعہ سمجھ کر گزر جاتا ہے، صاحبِ رزق کے لیے دستر خوان روز مرّہ کی چیز بن جاتا ہے، صاحبِ علم اپنی عقل کو اپنی ذاتی ملکیّت سمجھنے لگتا ہے اور کامیاب انسان ان بے شمار پوشیدہ اسباب کو بھول جاتا ہے جنہوں نے اسے کامیابی تک پہنچنے کے قابل بنایا۔ یوں انسان نعمت کو دیکھتا ہے مگر نعمت کے پیچھے کارفرما احسان کو نہیں دیکھتا؛ عطا کو محسوس کرتا ہے مگر عطا کرنے والے کی طرف نگاہ نہیں اٹھاتا۔ رحمانیت کا عرفان اسی غفلت کو توڑتا ہے۔ وہ انسان کو یہ احساس دلاتا ہے کہ زندگی کی بہت سی بنیادی نعمتیں اس کے مطالبے کا جواب نہیں بلکہ اس پر پہلے سے کیے گئے احسان کا اظہار ہیں۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں رحمانیت کو ربُوبیّت سے الگ پہچاننا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ ربُوبیّت میں وجود کی پرورش، تدبیر، تربیّت اور تدریجی تکمیل کا

پہلو نمایاں ہے، جبکہ رحمانیّت اس وسیع فیض کی طرف متوجّہ کرتی ہے جو مخلوق کے استحقاق سے پہلے اسے گھیر لیتا ہے۔ رحمانیّت گویا عطا کی وہ پہلی فضا ہے جس میں وجود سانس لیتا ہے؛ وہ فیض جس کے بغیر تربیّت کا سفر شروع ہی نہیں ہو سکتا۔ انسان پہلے پاتا ہے، پھر پہچانتا ہے، پھر شکر کرنا سیکھتا ہے، پھر ذمہ دار بنتا ہے اور بالآخر اس عطا کو اپنے کردار میں آگے منتقل کرنے کے قابل ہوتا ہے۔

مگر یہاں ایک نہایت اہم نکتے کو سمجھنا ضروری ہے: رحمانیّت کا عام فیض اس بات کی دلیل نہیں کہ دنیا میں نعمت پانے والا ہر شخص لازماً خدا تعالیٰ کی رضا بھی پا رہا ہے۔ دنیا میں دولت بھی ہے اور فقر بھی، صحت بھی ہے اور بیماری بھی، کامیابی بھی ہے اور ناکامی بھی، مہلت بھی ہے اور گرفت بھی۔ اس لیے رحمانیّت کو محض دنیاوی آسائشوں کی پیمائش بنا دینا اس صفت کے مفہوم کو محدود کر دے گا۔ رحمانیّت میں وہ بنیادی فیض بھی شامل ہے جس کے بغیر زندگی ممکن نہیں، وہ مہلت بھی جس کے ذریعے انسان اپنی اصلاح کا امکان برقرار رکھتا ہے، وہ صلاحیتیں بھی جن کے ذریعے وہ خیر و شر میں امتیاز کر سکتا ہے اور وہ مواقع بھی جن میں انسان اپنی لغزش سے پلٹ کر اپنے ربّ کی طرف دوبارہ متوجّہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ رحمانیّت کو صرف اس سوال سے نہیں سمجھا جا سکتا کہ مجھے کیا ملا؟ بلکہ اس سوال تک پہنچنا ہو گا کہ مجھے وجود، شعور، امکان، مہلت اور واپسی کے کتنے دروازے عطا کیے گئے؟

قرآنِ کریم میں رحمانیت کا جہان

سامعین! قرآن **الرَّحْمٰن** کو کسی ایک محدود موقع یا کسی ایک خاص نعمت کے ساتھ وابستہ نہیں کرتا بلکہ اس نام کو ایک ایسے وسیع قرآنی منظر نامے میں سامنے لاتا ہے جہاں وحی بھی ہے، انسان بھی ہے، بیان بھی ہے، آسمان بھی ہے، زمین بھی ہے، سورج اور چاند بھی ہیں، میزان بھی ہے، رزق بھی ہے اور خود انسان کی زندگی کا وہ پورا ماحول بھی ہے جس میں وہ اپنے وجود کو قائم پاتا ہے۔ سورۃ الرحمٰن کا آغاز ہی رحمانیت کے اس عظیم تصوّر کو کھولتا ہے: اَلرَّحْمٰنُ ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۔ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (الرحمٰن:2-5) یعنی بے انتہا رحم کرنے والا اور بن مانگے دینے والا۔ اُس نے قرآن کی تعلیم دی۔ انسان کو پیدا کیا۔ اسے بیان سکھایا۔

یہاں قرآن ایک نہایت معنی خیز ترتیب کے ساتھ **الرَّحْمٰن** کا ذکر کرتا ہے، پھر قرآن کی تعلیم، انسان کی تخلیق اور بیان کی نعمت کا ذکر آتا ہے۔ گویا انسان کا امتیاز صرف اس کا زندہ ہونا نہیں بلکہ اسے معرفت حاصل کرنے اور حقیقت کو بیان کرنے کی صلاحیت عطا ہونا بھی ہے۔ اُسے جسم ملا مگر صرف جسم نہیں دیا گیا، اُسے زندگی ملی مگر صرف حیوانی زندگی نہیں دی گئی، اُسے عقل ملی تاکہ وہ حقیقت پر غور کرے اور بیان ملا تاکہ وہ اپنے علم، تجربے اور شعور کو دوسروں تک پہنچا سکے۔ الغرض پھل، کھجور، اناج، خوشبو اور نباتاتی زندگی، یہ سب محض استعمال کی اشیاء نہیں بلکہ رحمان کے فیض کی نشانیاں ہیں۔

قرآن پھر عباد الرحمن کا تعارف کراتا ہے۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا (الفرقان:64)۔ کہ رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو (جواباً) کہتے ہیں "سلام"۔

رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو سلامتی کی بات کہتے ہیں۔ یہاں رحمان کے بندوں کی شناخت ان کے دعوے سے نہیں بلکہ ان کے کردار سے ہوئی ہے۔ یہ نہایت اہم نکتہ ہے: جو شخص رحمان کی رحمت کو پہچان لیتا ہے، اُس کی شخصیت میں سختی، تکبّر، انتقام اور تحقیر کا غلبہ نہیں ہونا چاہیے۔ رحمانیت کا عرفان انسان کو نرم کرتا ہے، مگر کمزور نہیں؛ اُسے عاجز بناتا ہے، مگر بے اصول نہیں؛ اُسے معاف کرنے والا بناتا ہے، مگر حق و باطل کے فرق سے بے خبر نہیں کرتا۔ رحمان خدا سے صرف انسان کا ہی تعلق نہیں بلکہ چرند پرند بارے فرماتا ہے: أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ ۔ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمٰنُ ۔ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ (الملک:20) کہ کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر پَر پھیلاتے اور سمیٹتے ہوئے نہیں دیکھا۔ رحمان کے سوا کوئی نہیں جو انہیں روکے رکھے۔ یقیناً وہ ہر چیز پر گہری نظر رکھتا ہے۔

ایک اَور امر جو الرَّحْمٰنُ صفت کی اہمیت کو اُجاگر کرتا ہے بتانا ضروری ہے اَور وہ یہ ہے کہ اللہ نے باقی تمام اسمائے حسنہ کو چھوڑ کر الرَّحْمٰنُ صفَت کو چُن کر اپنے بندوں کو اُس کی طرف منسوب کیا ہے جس میں ایک بڑا سبق یہ ہے کہ الرَّحْمٰنُ خدا جس نے انسان کو اُس کے مانگے بغیر لامتناہی نعماء سے نوازا ہے اُن کا شُکر کرنا چاہئے۔

پھر رحمانیت انسان کے باطن میں خشیت پیدا کرتی ہے:

إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ (یٰس:12)

یعنی تُو صرف اُسے ڈرا سکتا ہے جو نصیحت کی پیروی کرتا ہے اور رحمان سے غیب میں ڈرتا ہے۔ پس اسے ایک بڑی مغفرت کی اور معزز اجر کی خوشخبری دے دے۔

یہاں رحمان صرف وہ نہیں جس سے نعمتیں ملتی ہیں بلکہ وہ بھی ہے جس کی عظمت دل میں غیبی خشیت پیدا کرتی ہے۔

پیارے سامعین! اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اپنے ذاتی اسم اَللّٰہُ کے ساتھ الرَّحْمٰنَ کو استعمال فرما کر تمام اسمائے حسنہ کا ذکر فرمایا ہے جس سے الرَّحْمٰنَ صفت کی اہمیت اُجاگر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۔ أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ (بنی اسرائیل:111)

کہ تُو کہہ دے کہ خواہ اللہ کو پکارو خواہ رحمان کو۔ جس نام سے بھی تُم پکارو سب اچھے نام اُسی کے ہیں۔

گویا الرَّحْمٰنَ صفت کو اللہ کا ملا کر اپنی دعاؤں میں پکارنے کی تلقین ہے۔ باقی تمام اسمائے حسنہ اس میں آجائیں گے۔

احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رحمانیت کا ذکر

سامعین! حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے 26/ جنوری 2007ء کے خطبۂ جمعہ میں احادیث کی روشنی میں رحمانیت کو تفصیل سے بیان فرمایا۔ آپ نے ابتدا ہی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ نہایت جامع ارشاد پیش فرمایا:

"رحمانیت کا مظہر تام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے کیونکہ محمد کے معنے ہیں بہت تعریف کیا گیا اور رحمن کے معنے ہیں بلامُزد۔ بِن مانگے بلا تفریق، مؤمن و کافر کو دینے والا اور یہ صاف بات ہے کہ جو بِن مانگے دے گا، اس کی تعریف ضرور کی جائے گی۔ پس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں رحمانیت کی تجلّی تھی"

(ملفوظات، جلد اوّل صفحہ 395، جدید ایڈیشن)

یہ اقتباس رحمانیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کو ایک غیر معمولی فکری بلندی عطا کرتا ہے۔ اگر رحمانیت کا ایک بنیادی پہلو بلامُزد (بلامُزد کا مطلب ہے بغیر اجر کے)، بن مانگے اور بلا تفریق عطا کرنا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری بعثت اسی فیض کی ایک کامل انسانی تجلّی بن جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو صرف خدا کا نام نہیں بتایا بلکہ خدا سے تعلق قائم کرنے کے راستے بھی دکھائے، صرف گناہ پر تنبیہ نہیں کی بلکہ توبہ کا دروازہ بھی کھولا، صرف سزا سے ڈرایا نہیں بلکہ رحمت کی امید بھی دلائی اور صرف اپنے ماننے والوں کے لیے نہیں بلکہ تمام جہانوں کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصّے کیے؛ ایک حصّہ مخلوق میں رکھا جس کے باعث وہ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور ننانوے حصّے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھے۔

(مسند احمد بن حنبل، جلد 3، مسند ابی ہریرہ، حدیث 10285)

دنیا میں ماں کی اپنے بچے کے لیے محبت، دوست کی دوست کے لیے شفقت، کسی اجنبی کی مدد، جانور کے لیے انسان کی ہمدردی اور ایک انسان کا دوسرے کے دکھ میں شریک ہونا۔ یہ سب اسی ایک حصّے کی جھلکیاں ہیں۔ اگر مخلوق کے درمیان دکھائی دینے والی رحمت صرف ایک حصّہ ہے تو انسان اس رحمت کے پورے احاطے کا اندازہ بھی نہیں کر سکتا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ لیکن اس حدیث کا دوسرا پہلو بھی ہے: مؤمن کو خوف بھی ہونا چاہیے کہ وہ اپنے عمل سے اس رحمت سے محروم نہ ہو جائے۔ اسی لیے قرآن نے آدم علیہ السلام کی دعا سکھائی:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (الاعراف:24)

کہ اے ہمارے ربّ! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم گھاٹا کھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دعا کے بارے میں فرماتے ہیں:

"آج کل آدم علیہ السلام کی دعا پڑھنی چاہئے، رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ یہ دعا اوّل ہی قبول ہو چکی ہے۔"

(ملفوظات، جلد دوم، صفحہ 577، جدید ایڈیشن)

رحمت انسان کو یہ حوصلہ دیتی ہے کہ وہ اپنی خطا کا اعتراف کر کے واپس آسکے۔ اسی لیے قرآن فرماتا ہے:

لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر:54)

کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

احادیث میں رحمت کا یہ فیض انسانی تعلقات میں بھی منتقل ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے بچے کو چمٹا رہا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اس سے رحم کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تم پر اس سے بھی زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

(الادب المفرد، باب رحمۃ العیال، حدیث 382، ایڈیشن 2003ء)

یہ حدیث صرف والدین اور اولاد کے تعلق کی اصلاح نہیں کرتی بلکہ رحمانیت کی ایک بنیادی منطق سمجھاتی ہے: انسان کے دل میں پیدا ہونے والی رحمت خود اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ایک جھلک ہے۔ اگر انسان اپنے بچے کی معمولی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا تو وہ اپنے ربّ کی وسیع رحمت کا تصوّر کیسے کرے گا؟

سامعین! پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت کو انسانی معاشرے کا اصول قرار دیتے ہوئے فرمایا:

مَنْ لَا یَرْحَمْ لَا یُرْحَمْ

(صحیح البخاری، کتاب التوحید)

کہ جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اُس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

اس ایک اصول میں خاندانی زندگی، دوستی، ہمسائیگی، معاشرتی تعلقات اور اجتماعی زندگی سب شامل ہو جاتے ہیں۔ صلہ رحمی صرف رشتے نبھانے کا نام نہیں بلکہ دوسرے کے وجود کو اپنے اخلاقی دائرے میں جگہ دینے کا نام ہے۔ ہمسایہ صرف برابر والے گھر میں رہنے والا نہیں بلکہ سَو گھروں تک کو ہمسایہ قرار دیا ہے۔ دوست صرف خوشی میں ساتھ دینے والا نہیں بلکہ اُس کے دکھ کو محسوس کرنا بھی دوستی کا حصّہ ہے۔ معاشرہ صرف قوانین سے نہیں بلکہ رحم کے جذبات سے بھی قائم رہتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ جنت کی صفات میں بھی رحم کا ذکر فرمایا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت رحمت ہے جبکہ تفرقہ عذاب ہے۔

(مسند احمد بن حنبل)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمنوں کے باہمی تعلق کو ایک جسم سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِینَ فِی تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ

(صحیح البخاری، کتاب الادب)

کہ مؤمنوں کی باہمی محبت، رحم اور شفقت ایک جسم کی مانند ہے؛ جب جسم کا ایک عضو تکلیف میں ہو تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں اس کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے۔ یہ اسلام کے اجتماعی تصوّرِ رحمت کی ایک نہایت بلند مثال ہے۔ دوسرے کا دکھ دیکھ کر دل کا بے چین ہونا، اس کے لیے دعا کرنا اور حتّی الامکان اس کی تکلیف کم کرنا ایمان کے اخلاقی تقاضوں میں شامل ہے۔

رحمت کا یہ دائرہ انسان تک بھی محدود نہیں رہتا۔ بلکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحم کی ترغیب دیتے ہوئے جانور تک کے ساتھ رحم کا ذکر فرمایا اور ایک شخص کے حِمْیَر کے خلاف بددعا کرنے کے مطالبے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کے بجائے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ حِمْیَرَ

(جامع الترمذی، کتاب الدعوات)

کہ اللہ حِمْیَر پر رحم کرے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمانیت کے مظہرِ تام ہیں۔ اس حقیقت کی جھلک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی سے لے کر دشمنوں کے ساتھ سلوک تک، بچوں کی محبت سے لے کر جانوروں کے ساتھ شفقت تک، تبلیغ سے لے کر توبہ کی دعوت تک ہر جگہ نظر آتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

مَا رَأَیْتُ أَحَدًا کَانَ أَرْحَمَ بِالْعِیَالِ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل)

کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اپنے گھر والوں کے ساتھ رحم کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کے لیے بد دعا کرنے کی درخواست کی گئی تو فرمایا:

إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا، وَإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب)

کہ مَیں لعنت کرنے والا بنا کر مبعوث نہیں کیا گیا، بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اسی طرح بچوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت بھی رحمانیت کے انسانی مظہر کی روشن مثال ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنی ایک ران پر اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دوسری ران پر بٹھاتے، دونوں کو اپنے ساتھ چمٹاتے اور دعا کرتے:

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُمَا فَإِنِّي أَرْحَمُهُمَا

(صحیح البخاری، کتاب الادب)

کہ اے اللہ! ان دونوں پر رحم فرما، کیونکہ مَیں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ بھی نہیں؟ فرمایا: مَیں بھی نہیں، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ لے۔

(صحیح البخاری، کتاب الرقاق)

رحمانیت اور انسان کا کردار

سامعین! اگر انسان نے خود بِن مانگے رحمٰن خدا سے پایا ہے تو اُس فیض کو دوسروں تک پہنچانے کی ذمّہ داری بھی اُسی انسان کی ہے۔ یہی رحمانیت کا اخلاقی انقلاب ہے۔ رحمانیت کا عرفان انسان کو صرف نرم مزاج نہیں بناتا بلکہ وسیع القلب بھی بناتا ہے۔ وہ دوسروں کی خامیوں کے ساتھ ان کی ممکنہ اصلاح کو بھی دیکھتا ہے۔ وہ کسی بچے کی موجودہ کمزوری کو اس کی آخری حقیقت نہیں سمجھتا۔ وہ کسی نوجوان کی ایک لغزش کو اس کی پوری شخصیت کا فیصلہ نہیں بناتا۔ وہ کسی بوڑھے کی کمزوری کو بوجھ نہیں سمجھتا۔ وہ بیمار کی خدمت کو احسان نہیں بلکہ انسانی ذمّہ داری سمجھتا ہے۔ وہ محتاج کو محض معاشی مسئلہ نہیں بلکہ عزّت رکھنے والا انسان سمجھتا ہے۔ خاندان میں رحمانیت کا مطلب ہے کہ والدین اولاد کو صرف حکم نہ دیں بلکہ ان کی شخصیت کو سمجھیں؛ میاں بیوی ایک دوسرے کی کمزوریوں کو ہتھیار نہ بنائیں؛ اولاد والدین کی عمر اور کمزوری کو بوجھ نہ سمجھے۔ تعلیم میں رحمانیت کا مطلب ہے کہ استاد طالب علم کی غلطی پر صرف سزا نہ دے بلکہ اس غلطی کے پیچھے موجود کمزوری کو سمجھ کر اصلاح کا راستہ پیدا کرے۔ معاشرے میں رحمانیت کا مطلب ہے کہ طاقتور کمزور کو کچلنے کے بجائے سہارا دے اور بالخصوص عصرِ حاضر میں یہ اصول مزید وسیع ہو جاتا ہے۔ مصنوعی ذہانت، جدید طبّ، معاشی نظام، ٹیکنالوجی اور مواصلات نے انسان کو بے مثال طاقت دے دی ہے، مگر یہ طاقت کس کے لیے استعمال ہو گی؟ اِس میں خدا کی رحمانیت سے حصّہ لے کر چھوٹا رحمٰن بننا ہو گا۔ کیونکہ رحمانیت ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ دنیا میں موجود ہر انسان ہماری طرح ہی زندگی کی اس ابتدائی عطا کا حصّہ ہے۔ رنگ، نسل، زبان، ملک، معاشی حیثیت، تعلیم یا مذہبی شناخت انسان کی حرمت کو ختم نہیں کرتی۔ رحمان کا فیض کائنات کو گھیرے ہوئے ہے، اس لیے انسان کو اپنی ذات کے گرد دیواریں بلند کرنے کے بجائے خیر اور رحمت کے دائرے وسیع کرنے چاہئیں۔

رحمانیت سے تخلّق باخلاق اللہ تک

یہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کا ایک نہایت اہم پہلو سامنے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم صرف ذہن میں محفوظ کرنے کے لیے نہیں بلکہ انسان کے اخلاق کو تبدیل کرنے کے لیے ہے۔ اگر ہم اَلرَّحْمٰنُ کو پہچانتے ہیں تو ہماری زندگی میں رحم کا رنگ پیدا ہونا چاہیے۔ اگر ہم غفور و رحیم خدا کو مانتے ہیں تو ہمارے اندر دوسروں کو معاف کرنے اور اُن پر رحم کرنے والا بننا چاہیے۔ اگر ہم بِن مانگے عطا کرنے والے ربّ پر ایمان رکھتے ہیں تو ہمیں بھی اپنی استطاعت کے مطابق بغیر کسی صلے کی توقع کے خیر پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہاں تخلّق باخلاق اللہ محض ایک خوبصورت اخلاقی جملہ نہیں رہتا بلکہ رحمانیت کا عملی تقاضا بن جاتا ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ نہیں بن سکتا، نہ اس کی صفات میں کسی قسم کی الوہیت کا شریک ہو سکتا ہے، مگر وہ اپنے محدود انسانی دائرے میں ان صفات کے اخلاقی اثرات قبول کر سکتا ہے۔ اللہ رحمان ہے تو انسان رحم دل ہو؛ اللہ منعم ہے تو انسان شکر گزار اور سخی ہو؛ اللہ غفور ہے تو انسان معافی کی قدر جانے؛ اللہ ستّار ہے تو انسان دوسروں کے عیوب اچھالنے کے بجائے اصلاح کی راہ اختیار کرے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں رحمانیت عقیدہ سے کردار، نعمت سے ذمہ داری اور فیض سے خدمت بن جاتی ہے۔

اور شاید رحمانیت کا سب سے گہرا عرفانی سبق یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی کو حق نہیں بلکہ عطا سمجھے۔ جب زندگی حق بن جاتی ہے تو شکوہ پیدا ہوتا ہے؛ جب زندگی عطا بن جاتی ہے تو شکر پیدا ہوتا ہے۔ جب صحت حق لگتی ہے تو بیماری پر شکایت ہوتی ہے؛ جب صحت عطا محسوس ہوتی ہے تو ہر تندرست سانس حمد بن جاتی ہے۔ جب دولت حق سمجھی جاتی ہے تو محرومی حسد پیدا کرتی ہے؛ جب دولت عطا سمجھی جاتی ہے تو سخاوت پیدا ہوتی ہے۔ جب اولاد ملکیت محسوس ہوتی ہے تو اختیار پیدا ہوتا ہے؛ جب اولاد امانت محسوس ہوتی ہے تو تربیت پیدا ہوتی ہے۔ جب علم ذاتی کمال سمجھا جاتا ہے تو تکبّر پیدا ہوتا ہے؛ جب علم رحمان کی عطا سمجھا جاتا ہے تو عاجزی پیدا ہوتی ہے اور یوں انسان خود کو رحمان کی عطا کا ایک زندہ مظہر سمجھتا ہے اور اس کی نگاہ دوسروں کے لیے بدل جاتی ہے۔ وہ پوچھتا ہے: وہ، مَیں نے کیا پایا؟ سے آگے بڑھ کر اپنے آپ سے پوچھنے لگتا ہے کہ مجھ سے کسی کو کیا ملا؟ میری موجودگی سے کس کے دل کو سکون ملا؟ میرے علم سے کس کی جہالت کم ہوئی؟ میری دولت سے کس کی ضرورت پوری ہوئی؟ میری زبان سے کس ناامید انسان کو امید ملی؟ میری معافی سے کس انسان کو اصلاح کا موقع ملا؟ میری دعا سے کس کے لیے آسمان کا دروازہ کھلا؟ یہی رحمانیت کا اخلاقی کمال ہے کہ انسان رحمت کا صرف مستفید نہیں رہتا، رحمت کا امین بن جاتا ہے۔

اور وہ اپنے ربّ کے سامنے کھڑا ہو کر یہ کہتا ہے کہ:

اے میرے رحمان! مَیں نے زندگی مانگی نہیں تھی، تُو نے عطا کی؛ مَیں نے روشنی پیدا نہیں کی تھی، تُو نے میری آنکھ کو روشنی دی؛ مَیں نے عقل نہیں بنائی تھی، تُو نے مجھے سمجھ عطا کی؛ مَیں نے توبہ کا راستہ نہیں بنایا تھا، تُو نے میرے گناہوں کے باوجود واپسی کا دروازہ کھلا رکھا؛ مَیں نے رحمت پیدا نہیں کی تھی، تُو نے مجھے رحمت کے حصار میں رکھا۔ اب مجھے اتنی توفیق دے کہ جو کچھ تیرے فضل سے مجھے ملا ہے، اس میں سے کچھ تیری مخلوق تک بھی پہنچا سکوں۔ میری موجودگی کسی کے لیے بوجھ نہیں، سہارا بنے؛ میری زبان زخم نہیں، مرہم بنے؛ میرے ہاتھ گرفت کے نہیں، مدد کے ہاتھ بنیں؛ میرا علم تکبّر نہیں، روشنی بنے؛ میری دولت فخر نہیں، خدمت بنے؛ میری طاقت ظلم نہیں، حفاظت بنے اور میرا دل ایسا بن جائے کہ تیری رحمانیت کو پہچاننے کے بعد تیرے بندوں کے لیے بھی رحمت کا ایک چھوٹا سا وسیلہ بن سکے۔

حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"ایک روایت میں آتا ہے۔ نعمانؓ بن بشیر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا جو تھوڑے پر شکر ادا نہیں کرتا وہ زیادہ پر بھی شکر ادا نہیں کرتا۔ اور جو لوگوں کا شکر گزار نہیں ہوتا وہ خدا کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کا ذکر کرنا شکر ہے اور اسے ترک کرنا ناشکری ہے۔ اور جماعت رحمت ہے اور علیحدگی عذاب ہے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد 6 مسند نعمان بن بشیر۔ حدیث نمبر 19565 ایڈیشن 1998ء بیروت)

تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جس کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائی اور اس ذریعہ سے پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو حاصل کرنے والے بنے۔ تو اس شکر گزاری کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا ایک زائد دروازہ ہم پر کھولا ہوا ہے، ہمیں اس تقاضے کو بھی پورا کرنا چاہئے جو انسانیت سے رحم کا تقاضا ہے اور وہ ہے دنیا کو اس پیغام کا پہنچانا جس کو لے کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے تھے اور پھر ان کے لئے دعائیں کرنا کہ اللہ تعالیٰ ان کو راستی پر رکھے، سیدھے راستے پر چلائے اور حق کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ مومنوں کے ایک دوسرے سے محبت اور رحم کے جذبات کے معیار کیا ہونے چاہئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے اس بارے میں کیا توقع رکھتے ہیں، اس کا اظہار اس روایت سے ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تُو مومنوں کو ان کے آپس میں رحم کرنے، محبت کرنے اور شفقت کرنے میں ایک جسم کی طرح پائے گا۔ جب جسم کا ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو اس کا سارا جسم اس کے لئے بے خوابی اور بخار میں مبتلا رہتا ہے۔ (بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الناس والبھائم۔ حدیث نمبر 6011)

بیماری کی حالت میں ایک جسم کی جو یہ حالت ہے، وہی ایک مومن کی دوسرے مومن کے بارے میں ہونی چاہئے، بجائے نقصان پہنچانے کے، کسی کی تکلیف کا احساس نہ کرنے کے، تکلیف کا احساس کرنا چاہئے اور اس کے لئے دعاؤں کی طرف توجہ پیدا ہونی چاہئے۔

تو یہ اسلام کا معاشرہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمانیت کے صدقے اس رحمۃ للعالمین نے ہمارے اندر پیدا کرنے کی ہمیں نصیحت فرمائی ہے۔"

(خطبہ جمعہ 26/ جنوری 2007ء)

(بتعاون: نعیم اللہ باجوہ۔ آسٹریلیا)